

تزکیہ و تربیت

دنیا اور آخرت

اقادات مولانا اشرف علی تھانویؒ

اہمیت اعمال

نیکیوں کی قدر ہم کو آخرت میں ہوگی کیونکہ یہ وہیں کا سکھ ہے۔ وہاں آپ کے یہ روپے پیسے کام نہ دیں گے اور وہاں سب کو جانا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ جب بازارِ قیامت قائم ہوگا وہاں بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جو کہ وہاں کا سکھ یعنی نیکیاں پلے باندھ کر لائے ہیں وہ تو بے تکلف ہر قسم کی راحت حاصل کر لیں گے۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت کو بھولے ہوئے تھے اور اس وجہ سے کچھ نیکیوں کا ذخیرہ ساتھ باندھ کر نہیں لائے۔

صاحبو! وہاں بجز اعمالِ صالحہ کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور یہ بھروسہ نہ کرنا کہ ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے ان سے کچھ نیکیاں بٹالیں گے۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ قیامت کے دن اس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہے اور بدیاں زیادہ ہوں تو دوزخی ہے اور دونوں برابر ہوں تو چندے اعراف میں رکھا جائے گا۔ اس قاعدہ کے موافق اس شخص سے ارشاد ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے تم کو مل جائے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ وہ شخص خوش ہوگا کہ میرے تو ماں باپ بیوی بچے دوست احباب بہت سے ہیں کسی سے ایک نیکی کا مل جانا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور جا کر باپ سے اپنی حالت عرض کرے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے تم میرے باپ ہو میرے حال پر رحم کرو ایک نیکی دے دو۔ وہ صاف جواب دے گا کہ یہاں ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے تجھے ایک نیکی کیسے دے دوں۔ ماں بھی اسی طرح جواب دے دے گی۔ اولاد بھی نکا سا جواب دے دے گی۔ دوست احباب بھی دور کی

سنائیں گے۔ آخر نہایت مایوس ہو کر لوٹے گا۔

صاحبو، مگر وہ عجیب دربار ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر بخشش بھی ہو جاتی ہے۔ ایک اور شخص کا قصہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ اس نے ایک دن راستہ میں سے کائیا ہٹا دیا تھا جو ظاہر ہے کہ بہت ہی ذرا سی بات ہے۔ مگر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی قدر ہوئی، اور اس کو اسی بات پر بخش دیا گیا۔ صاحبو، نیک کام کو، چاہے کتنا ہی ذرا سا ہو، حقیر نہ سمجھو۔ بعض دفعہ ذرا سی بات قبول ہو جاتی ہے، اور بڑے بڑے عمل، جن پر ناز تھا، رکھے رہ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں، توحید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا، جھوٹا ہے۔ توحید بھی تیری درست نہیں۔ دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو انھوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ سے درد ہو گیا ہے۔ تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو موثر قرار دیا، حالانکہ موثر ہم ہیں۔ یہ کیسی توحید ہے! جب توحید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دونخ کے مستحق ہو چکے، کیونکہ تمہارے اقرار میں تمہارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو، ہم تم کو کس بات پر بخشے ہیں۔ ایک رات تم نے ایک بلی کے بچے کو سر دی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا، جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کر لی، اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔

ارادہ کی اہمیت

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِنْ يَوْمٍ مُّذْ مُّوْءَاً مُّذْ حُوْرًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُّؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۸-۱۹)

ان آیتوں میں ایک بہت بڑی چیز کا ذکر ہے، اگرچہ وہ بظاہر چھوٹی معلوم ہو۔ یعنی دنیا کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا ثمرہ ہے، اور آخرت کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا نفع ہے۔

واقعاً ارادہ ایسی چیز ہے، جس کو ہم بہت ہی معمولی اور سرسری سمجھتے ہیں، مگر یہ سرسری چیز ایسی ہے جیسے گہری کی ہل کمائی۔ دیکھنے میں تو ذرا سی چیز ہے، مگر گہری کے چلنے کا دار و مدار اسی پر

ہے۔ وجہ اس بے قدری کی یہ ہے کہ ارادہ ایک غیر حسی چیز ہے، اس لیے ہم کو اس کی قدر نہیں۔ مگر واقع میں فکر و ارادہ وہ چیز ہے جس کے ترک کر دینے سے ہمارے سب حل بگڑ گئے، اور بہت سے اللہ والوں کے حالات و مقامات اس کی بدولت درست ہو گئے۔ صاحبو، ارادہ بہت بڑی چیز ہے، اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ دنیا کے بھی سارے کام اس کی بدولت چلتے ہیں۔ یہ بہت بڑی قوت ہے جو انسان میں رکھی ہوئی ہے۔

اب جانو کہ ارادہ فی نفسہ نہ کوئی بری شے ہے نہ اچھی۔ یہ اپنے حسن و قبح میں موقوف ہے اپنے مضاف الیہ پر، یعنی مراد پر۔ اگر اچھے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ عمدہ ہے، اور برے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ برا ہے۔ اچھے ارادہ پر ثواب ملے گا اور برے ارادہ پر، اگر پختہ ارادہ ہو جائے گا، گناہ لکھا جائے گا۔ اس سے بھی ارادہ کی عظمت معلوم ہو گئی۔ کیونکہ کسی عمل پر جزا و سزا ارادہ کے بغیر مرتب نہیں ہوتی۔ ارادہ پر عمل کے بغیر بھی گناہ و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اگر بغیر ارادہ کے کوئی گناہ بھول چوک سے ہو گیا تو وہ معاف ہے۔

تمنا، ارادہ نہیں

سو ارادہ کی مسلمانوں میں آج کل بہت ہی کمی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم نے بہت ہی کرنا چاہا، مگر نہیں ہوا۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا، صرف تمنا ہی تمنا کی۔ ارادہ اس کا نام ہے کہ جس اختیاری کام کا خیال کریں، اسی کی دھن لگ جائیں اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کر دیں۔ ایسا کر کے پھر کوئی بتلائے کہ کام نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کام نہ ہوا کرے تو دنیا کا کام کیوں کر چلے۔ اس لیے جو شخص یوں کہے کہ میں نے ارادہ کیا اور پھر بھی کام نہیں ہوا، میں اس کو کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ بلکہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم نے اس کام کی تمنا تو کی، ارادہ نہیں کیا۔

صاحبو، انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آسکتا ہے۔ صاحبو، تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں۔ ایک ملائکہ کا اور ایک شیاطین کا، اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے۔ دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے۔ ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے۔ جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تو لشکرِ ملائکہ ہپا ہو گیا، اب وہ غالب نہیں ہو سکتا۔ اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لیا تو لشکرِ شیطان مغلوب ہو گیا، اب وہ کبھی غلبہ نہیں کر سکتا۔ افسوس! آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

صاحبو! آپ عاجز ہرگز نہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں۔ گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے، اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے، اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی۔ کیوں صاحب، اگر کوئی ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بغیر ڈاکہ کے پل نہیں سکتا تھا، اس لیے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے، تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کر لے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے کہ ہم یہ باتیں نہیں سنتا چاہتے۔ تم نے خلافِ قانون کام کیا ہے، تم کو پھانسی دی جائے گی۔ اے اللہ کے بندو! ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا، وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں ارادہ کا بیان ہے، اور متعلق کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ محمودہ و مذمومہ۔ ان دونوں کے احکام اس آیت میں مذکور ہیں اور اس وقت میں انہی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنئے۔

طلبِ دنیا کی حقیقت

جو کوئی عاجلہ کا، یعنی دنیا کا، ارادہ کرتا ہے، اس کو ہم جلدی، اسی جگہ، جو چاہیں، اور جس کے لیے چاہیں، دے دیتے ہیں۔ ذرا قیود پر غور کیجیے۔ دنیا کے طالب کو دنیا عطا فرمانے کا پختہ وعدہ نہیں فرماتے، بلکہ اتنی قیدیں ہیں کہ مَا تَشَاءُ لَئِنْ تَوَدَّ یعنی جتنا ہم چاہیں، اور جس کے لیے چاہیں، عطا کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا کا مراد کو پہنچنا لازم اور ضروری نہیں۔

حالت یہ ہے کہ دنیائے فانی کو اختیار کرنے سے تو بعض اوقات آخرت کا حصہ بالکل نہیں ملتا، جیسے کہ کفار کو۔ اور آخرت اختیار کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ دنیا بالکل نہ ملے، بلکہ آخرت اختیار کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے۔ اگرچہ بقدر ضرورت و آسائش ملتی ہے۔ گو زیادہ نہ ملے، مگر وہ اس تھوڑی ہی دنیا سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں کہ طالبین دنیا کو باوجود کثرتِ مال کے وہ لطف حاصل نہیں ہوتا۔ مگر طلبِ دنیا کے ساتھ آخرت اس طرح نہیں مل سکتی۔ تو اب بتائیے کہ طالب دنیا ہونا عقلمندی ہے یا طالبِ آخرت ہونا۔ جب کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی حقیر ہے کہ اگر آخرت سے محرومی کی صورت میں اس کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی ہوتا جب بھی وہ لینے کے قائل نہ تھی، چہ جائیکہ آخرت چھوڑ کر دنیا کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی نہ ہو۔

طلبِ آخرت

اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کر لیا جائے کہ طلبِ دنیا و طلبِ آخرت دونوں کے ثمرات

کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔

طالب دنیا کی بات تو ارشاد ہے، 'عَبَلْنَا لَهُ لَيْسَ مَا لِنَفْسِهِ لَعَنَ نَزَلَهُ' یعنی معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے، اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے۔ بلکہ جو حق تعالیٰ چاہیں گے، دے دیں گے۔

اور طالب آخرت کے متعلق ارشاد ہے، 'أُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَفْكُودًا' جو آخرت کی طلب، کوشش عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں، ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے، احترازی نہیں۔ اور یہ دراصل بیان ہے 'مَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ' کا ارادہ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عملِ صالح میں سعی کرنے کو۔ کیونکہ اس کے بغیر طلب آخرت مستحق ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہاں سے رد ہو گیا ان لوگوں کا جو کہ اپنے کو طالب آخرت سمجھتے ہیں، مگر عملِ صالح نہیں کرتے۔ دراصل یہ لوگ طالب آخرت ہی نہیں۔ طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح اختیار کیا جائے۔

میں نے یہ مضمون کہ 'سَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ' قید واقعی ہے، اس لیے بیان کیا تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادہ آخرت کے متعلق مذکور ہے، وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے، بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے، اور دعویٰ تمہارا ارادہ آخرت کے ثمرہ کا ہے۔ تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا۔ کیونکہ میں نے بتا دیا کہ یہ قید واقعی ہے، اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقتل ارادہ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ ارادہ آخرت کا سل ہونا معلوم ہو جائے، کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے بعد آخرت کی طلب کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو۔ بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں۔ اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادہ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے، کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی۔ اور ارادہ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

پس ارادہ دنیا و آخرت میں ایک تو فرق یہاں یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے۔ اور

طلبِ آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے۔ وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔ دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے، جو اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا۔ ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو۔ وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں شرط کا تعلق جزا کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ارادۂ دنیا کی پابست تو ارشاد ہے، 'مَنْ كَانَ مُرِيدًا' یہ صیغہ استمرار ہے۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کو طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے، تب کچھ ملتا ہے۔ اور ارادۂ آخرت کے متعلق 'مَنْ أَرَادَ' بغیر لفظ 'كَانَ' کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمرۂ اخروی حاصل ہونے کے لیے طلب میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا، بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالبِ آخرت کا ارادہ اور طلب مستمر نہیں ہوتا، اور کچھ دنوں کے بعد وہ زائل ہو جاتا ہے۔ نہیں، حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے۔ مگر تھوڑی سی سستی و طلب کے بعد مستمر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محبتِ الہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے، مگر بوجہ اعانتِ غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدون اختیار کے پیدا ہو رہا ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوبِ سرکار ہے۔ اس میں سستی کرنے والے کی اس طرح سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَى شِرَاجِنِ اللَّهِ ذَوَاعَا وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَى ذَوَاعَا، تَقَرَّبَ إِلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ وَمَنْ اتَّانَى بِمَشَى آتَمَتْهُ هِرْوَلَتُهُ۔

اور دنیا مردودِ بارگاہِ الہی ہے۔ اس میں ہمیشہ وقت و تعب ہی رہتا ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ اہتمام و اشماک از خود کرنا پڑتا ہے، اور یہ طلب ہمیشہ متکلف از سر نو پیدا کرنا پڑتی ہے۔ پس حقیقتاً تو دونوں ارادے مستمر ہوتے ہیں۔ مگر سہولت و اعانتِ غیبی کی وجہ سے ارادۂ آخرت گویا مستمر نہیں رہا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے۔ اور ارادۂ دنیا حقیقتاً اور حکم دونوں کے اعتبار سے مستمر ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ 'كَانَ' استمرار کے لیے بڑھایا گیا اور ارادۂ آخرت کے بیان میں 'كَانَ' نہیں بڑھایا گیا۔

شرح اس سہولت و اعانت کی یہ ہے کہ طلبِ آخرت میں قدرے سستی کرنے سے جب نسبت مع اللہ پیدا ہو جاتی ہے، تو اس سے ایک کیف اور حل ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ وہ کیف نسبت مع اللہ کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا دشوار ہو جاتا

ہے، کام کرنا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ اس طریق میں کچھ باطنی مشقت پیش بھی آتی ہے تو وہ اس سے بدل نہیں ہوتے، بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے۔ اسی کی بدلت ارشاد ہے۔ از محبت تلعبا شیریں بود۔

اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں۔ جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے، جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں، یعنی موت، وہ بھی ان کے لیے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تمنائیں کرتے ہیں۔

طالب آخرت کا ارادہ اگرچہ مستمر ضرور ہوتا ہے، مگر بوجہ سہولت و اعانت فیہی کے گویا وہ بالکل ارادہ ہی نہیں کرتا۔ سب کام بغیر اس کے ارادہ کے ہوتا رہتا ہے۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کبھی گنہ نہیں ہوتا یا یہ معصوم ہیں۔ نہیں، بلکہ تقاضا محصیت کا ان کو بھی ہوتا ہے، کیونکہ نفس ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر ان کے تقاضے کی اور دوسروں کے تقاضے کی ایسی مثل ہے، جیسے کہ ایک تو شائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ اس کو ذرا سی چکار میں سیدھا کر لیتے ہیں، اور ایک غیر شائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ وہ نہ مارنے سے سیدھا ہوتا ہے نہ چکارنے سے۔ وہ جب شرارت کرتا ہے، سوار کو پٹک دیتا، اور زین کو بھی پھینک دیتا ہے۔ تو اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ گھوڑا شائستہ ہونے کے بعد بھی کبھی شرارت کرنے پر آتا ہے، مگر وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اہل نسبت کی ایسی ہی مثل ہے۔ یہی لوگ ہیں جو پل صراط پر برق کی طرح جائیں گے۔ کیونکہ پل صراط، شریعت کی صورت مثلی ہے۔ جو لوگ دنیا میں شریعت پر بہ سہولت چلتے تھے، اور شریعت پر چلنا ان کو ایسا آسان اور خوشگوار ہو گیا تھا جیسا کہ دوسروں کو کھانا پینا سونا، یہ لوگ پل صراط پر بھی باسانی گزر جائیں گے۔

اب اس آیت میں چند نکات سمجھیے جو اس وقت ذہن میں ہیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے، لَهَا مَا نَشَاءُ لَعَنَ قَوْمُكَ کہ طالبین دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں، اور جس قدر چاہیں، عطا کر دیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبین آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے۔ کیونکہ جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے، تو بظاہر اس کے مقابل طالبین آخرت کے لیے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے۔ مگر بخلاف اس کے اس آیت میں ما نشاء نہیں فرمایا گیا، بلکہ بجائے اس کے اُولَئِكَ كَانَ سَعْنُهُمْ مَشْكُورًا فرمایا گیا۔

تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارہ میں یہ ارشاد فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی بلکہ وعدہ گھٹ جاتا۔ کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے 'مَالَا عَيْنَاتٍ وَلَا اُذُنَ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ' یعنی نہ ان کو آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔

تو بتائیے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طلبینِ آخرت کو جو کچھ وہ چاہیں گے دیا جائے گا اس سے زیادتی ہوتی یا کمی؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انھوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو گمان بھی نہیں ہو سکتا اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں۔ فرمایا 'بلکہ اپنی رحمت سے خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے۔'

اب آپ نے سمجھا کہ ما بشاء نہ فرمانا ہی ہمارے لیے رحمت ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجمالاً فرما دیا 'أُولَئِكَ كَانَ سَعْنُهُمْ مَشْكُودًا' یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی۔ اسی سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ ملے گا۔ اس کا اندازہ اس سے کر لو کہ بادشاہان دنیا جب کسی کی قدردانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام و اکرام کریں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام و اکرام کیا کرتے ہیں جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا۔ پھر جس کی قدردانی حق تعالیٰ شانہ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے اندازہ کرلو اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس وقت اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ وَمَعْنَىٰ لَهَا مَعْنَاهَا میں ہے کہ یہ کلام اس سعی کے سہل ہونے پر دال ہے۔ جیسا کہ اوردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے کہ اس کلام کے لیے جو تدبیر ہے وہ کئی چاہیے۔ اس تدبیر کو بیان نہ کرنا اور اجمالاً یہ کہہ دینا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کئی چاہیے اس سے اس تدبیر کا معلوم ہونا اور سہل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو کلام یہاں پر وارد ہوا ہے اس سے اس سعی کا معلوم ہونا اور سہل ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سعی مختصر اور مستتر ہے بیان کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اشارہ مَشْكُودًا میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے، عمل کو اس میں دخل نہیں۔ اس سے ناز کرنے والوں کو تنبیہ مقصود ہے کہ اپنے

عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہو گا، ورنہ تم عمل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

وجہ یہ کہ طاعت، ادائے حق خداوندی ہے، اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں، اور حقوق غیر متناہی کا ادا کرنا موقوف ہے عمل غیر متناہی پر، اور ہم بوجہ حادث و متناہی ہونے کے عمل غیر متناہی سے عاجز ہیں۔ تو عقلاً انسان ادائے حق خداوندی سے عاجز ہے۔ تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدر دانی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو بعض رحم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لیے ہمیشہ کے لیے خلود فی النار کیوں مقرر ہوا۔ کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک، یعنی دنیا کی زندگی میں، اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم۔ یہ تو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر متناہیہ کو ضائع کیا، اور حقوق غیر متناہیہ پر غیر متناہی سزا عقل کے موافق ہے۔ غرض عمل صالح سے تو حقوق غیر متناہیہ ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہیہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ پس عمل متناہی کے بدلے غیر متناہی جزا جو مومنین کو عطا ہو گی، یہ البتہ عقل سے آگے ہے۔

پس مَشْكُوداً سے بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا، مگر یہ ہماری قدر دانی ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا۔ ہاں، رحمت الہی ہو جائے تو اور بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، اور اس سوال کی ہمت بھی انھی کو تھی، یا رسول اللہ! ولا انت؟ کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جائیں گے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف غالب ہو گیا، اور آپؐ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، ولا انا الا ان يتعمد لي الله برحمته، یعنی میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا، مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔ صاحبو! اب کس کی ہمت ہے جو اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔

قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمت ہے تو معلوم ہو گا کہ یہ سب محض قدر دانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ شانہ، اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کر لیں گے، اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ یہ انعام فرمائے تھے، تم نے پھر بھی نافرمانی کی۔ فلاں گناہ کو یاد کرو، تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا، اس دن یہ کیا تھا، غرض گناہوں کی فہرست شمار فرمائیں گے، یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور

ہر طرف سے اپنے کو جہنم کو قریب دیکھے گا۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ جلوہ ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی، یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پھر اس کے ثامنہ اعمال میں سے گناہوں کو محو فرمادیں گے اور ان کی جگہ اعمال حسنہ درج فرمادیں گے۔ یہ ہے اُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ کا مضمون۔ کچھ ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو اپنی رحمت سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ فرمائیں گے، بلکہ دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور یوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

صاحبو! ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں، جو یوں نافرمانی پر کمر بستہ ہوئے ہو۔ ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو۔ (تلخیص و تدوین: خ-م)

رمضان المبارک موقع
پر خصوصی رعایتی (سیکیم)

رقعت	قیمت	رعایتی قیمت
①	کتاب الصوم	۴۵- ۲۳-۰۰
②	فضائل قرآن	۲۲- ۱۲-۰۰
③	شعور حیات	۲۶- ۱۲-۰۰
④	گلدستہ حدیث	۱۲- ۴-۰۰
⑤	خاصانِ خدا کی نماز	۱۸- ۱۰-۰۰
⑥	خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (اول)	۱۸- ۱۰-۰۰
⑦	خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (دوم)	۱۸- ۱۰-۰۰
⑧	روشنی سے مینار	۳۴- ۲۰-۰۰

۲۳
الہی پبلی کیشنز
راحت مارکیٹ
آزاد بازار لاہور